(غلام گردش)

یکطرفہ ٹکٹ

تمہاری چٹھی بن چکی ہے۔بس کچھ دن میں دستخط ہو جائینگے۔ویسے دستخط میں تاخیر نہیں ہوگی۔جاؤ سفر کی تیاری شروع کرو۔یہ الفاظ ایک بوڑھی خاتون کے ہیں جو شادمان چوک پر کھڑی ہوئی لوگوں کی گاڑیوں کے شیشے کھٹکھٹا کر پیسے مانگ رہی تھی۔گاڑی کے شیشے پر آ کر رُک گئی۔چار ایسے جملے کہے جو میرے اوپر سے گزر گئے۔کرخت آواز سنکر جیب سے دس روپے نکالے اور اسکے ہاتھ پر رکھ دیے۔غصے سے ضعیف عورت کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ایسے لگا کہ جسم کا پورا خون آنکھوں اور چہرے پر آ گیا ہے۔غصے سے بولی میں گداگر نہیں ہوں۔فقیر تو تو ہے۔میں تو صرف تیری مدد کرنے آئی تھی۔پتہ نہیں کیا ہوا۔گاڑی ایک طرف کھڑی کی۔باہر نکل کر عورت سے معافی مانگنے کی کوشش کی تو وہ نظر ہی نہیں آئی۔پتہ نہیں ہجوم میں کہاں گم ہو گئی۔ایسے لگا کہ ہجوم کا ہجوم مجھے کہہ رہا ہے کہ تمہاری چٹھی بن چکی ہے۔بس دستخط ہونے کا انتظار ہے۔

عجیب سی کیفیت میں گھر کی طرف چل پڑا۔ذہن میں بوڑھی عورت کے کہے ہوئے لفظ گونج رہے تھے۔ایسے جیسے ہزاروں تتلیاں رنگ برنگے پروں کے ساتھ گھوم رہی ہوں۔مگر میں نے تو کسی بھی جگہ، کسی بھی دفتر میں کوئی درخواست نہیں دی۔بلکہ سرکاری دفتروں سے تو کوسوں دور رہتا ہوں۔ریٹائرمنٹ کے بعد کئی دوستوں نے مختلف جگہ پر سرکاری ملازمت کیلئے کہا۔مگر چونتیس برس مسلسل سرکاری غلامی کر کر کے روح میں کرچیاں ہی کرچیاں ہیں۔زخم ہی زخم ہیں۔ایسے ایسے گھاؤ ہیں جسکا ذکر تو کیا، سوچتا ہوں تو ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے۔پھر اپنے والد کی پتیس برس پہلے کی نصیحت یاد آتی ہے۔جج صاحب نے میرا کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کا اچھا نتیجہ دیکھ کر کہا تھا کہ بیٹا اعلیٰ تعلیم امریکہ سے حاصل کرو اور واپس آ کر مریضوں کیلئے زندگی وقف کر دو۔اس میں عزت بھی ہے اور وسیع روزگار بھی۔مگر ہر نافرمان بیٹے کی طرح میں نے جج صاحب کی نصیحت کو نظرانداز کر کے سی ایس ایس کر لیا۔ڈی ایم جی میں آ گیا۔پھر سرکاری ڈھب سے زندگی گزرنا شروع ہو گئی۔ویسے ایک دن کیلئے بھی سرکار کی اعلیٰ ترین نوکری کو ''آج کل کے ڈھنگ'' سے نہیں گزارا۔اپنی فکری جدوجہد کی بدولت معتوب قرار دیا گیا اور شائد آج بھی ہوں۔ویسے عرض کرونگا کہ کسی بھی ذہین آدمی کا سی ایس ایس کرنا زندگی کو برباد کرنے کے برابر ہے۔مگر یہ بات مکمل بربادی کے بعد سمجھ آتی ہے بلکہ کئی لوگوں کو تو بالکل سمجھ نہیں آتی۔میرا دھیان دوبارہ اس بڑھیا کی طرف چلا گیا۔ذہن میں آیا، شائد پاگل عورت ہو۔دیوانی ہو۔یا شائد مست ہو۔

بہرحال ملی جلی کیفیت میں گھر آیا۔دو تین دن گزر گئے۔خط والی بات ذہن سے نکل گئی۔تین دن بعد، میری اہلیہ سارہ نے کہا کہ آپ سے پوچھے بغیر ٹکٹیں بُک کروادی ہیں۔ہم اگلے ماہ عمرہ پر جا رہے ہیں۔عمرہ پر جا رہے ہیں؟ مگر میں نے تو کبھی بھی عمرہ کا نہیں کہا۔نہ ہی میں نے بات کی ہے کہ ہمیں عمرے پر جانا چاہیے۔اہلیہ نے کہا کہ آپکا پاسپورٹ تو میرے پاس تھا۔ٹریول ایجنٹ سے بات کی اور جہاز کی نشستیں مختص کروالیں۔میرے پوچھے بغیر! میرا جواب بیوی نے سنا اَن سنا کر دیا۔ویسے شادی کے تیس سال بعد نہ کوئی سوال ہی رہتا ہے اور نہ ہی کوئی جواب۔انسان حد درجہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ویسے میں نے اب کسی سے بھی کوئی بھی سوال کرنا چھوڑ دیا ہے۔اسلیے کہ

نہ سوال ہی اہم ہوتا ہے اور نہ جواب کی کسی قسم کی کوئی اہمیت۔ وقعت صرف وقت اور حالات کی ہوتی ہے۔ ان میں سے اکثریت ہمارے بس سے باہر ہیں۔ کسی وقت قدرت، آپ کو کس موڑ پر کسی ناخوشگوار حادثہ سے دوچار کردے۔ کم از کم انسان کو تو اسکا بالکل علم نہیں ہوتا۔ ویسے ہو بھی جائے تو وہ کچھ نہیں کرسکتا۔ مشیتِ الٰہی کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ مشیتِ الٰہی کو سمجھنا ناممکنات میں سے ہے۔ زندگی میں بہت سے حادثے دیکھے اور ہر رنج نے ایک نیا سبق سکھایا۔ دو چار ہفتے پہلے کا حادثہ تو خیر خدا کی طرف سے ایک جھٹکا تھا۔ پیغام تھا۔ جب میں لوگوں کو بتاتا ہوں کہ یں مہیب حالات کے بعد حد درجہ بہتر محسوس کر رہا ہوں تو وہ حیرت سے میرا مونہہ دیکھنا شروع کردیتے ہیں۔ بعد میں تفصیل عرض کرونگا۔ مگر دو تین ماہ میں میری شوگر مکمل طور پر نارمل ہوگئی اور بلڈ پریشر ہر طریقے سے درست ہوگیا۔ بہر حال بات عمرے کی ہو رہی تھی۔

ایک دم دماغ میں ایک بجلی سی کوندی۔ بڑھیا کی آواز آنے لگی۔ تیری درخواست مکمل ہو چکی ہے۔ بس دستخط ہونے باقی ہیں۔ گہری سوچ میں چلا گیا۔ گھر کے نزدیک پارک میں اکیلا بیٹھ گیا۔ سوال تھا کہ یہ بوڑھی عورت کون تھی۔ اسے کیسے پتہ کہ میں عمرہ پر جا رہا ہوں۔ اس بات کا تو مجھے بھی علم نہیں تھا۔ بلکہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میں اس مقدس مقام پر جا پاؤنگا۔ سوچتے سوچتے شام ہوگئی۔ اردگرد درجنوں لوگ واک کر رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ ایسے لگا کہ ہر ایک مرد، عورت اور بچہ کنکھیوں سے دیکھ رہا ہے۔ مجھے بتا رہا ہے کہ تم جا رہے ہو۔ جا رہے ہو۔ ایک مالی نزدیک سے گزرا۔ پنجابی میں کہنے لگا کیا حال ہے۔ میرا جواب وہی ہے جو عام سا ہوتا ہے۔ بس ٹھیک ہے۔ ایسے لگا کہ مالی کو میرا جواب پسند نہیں آیا۔ وہ شائد جانتا تھا کہ میرے اندر کیا توڑ پھوڑ ہو رہی ہے۔ مگر مالی کو کیسے پتہ کہ میں کسی ذہنی کشمکش میں ہوں۔ مالی کو آواز دی۔ ہم دونوں بینچ پر بیٹھ گئے۔ شائستگی سے پوچھا کہ آپ کبھی روضہ رسولؐ اور حرم میں گئے ہیں۔ سوال سے ایسا ہوا کہ کسی نے بجلی کا بٹن دبا دیا ہو۔ ایسا بٹن جس سے عقیدت، احترام اور آنسوؤں کا فوارہ پھوٹ پڑا ہو۔ مالی نے زاروقطار رونا شروع کردیا۔ میری کیا اوقات ہے کہ اس جگہ جاسکوں۔ مرنے سے پہلے شدید خواہش ہے کہ حرم پاک میں کعبہ کی دیواروں سے لپٹ لپٹ کر روؤں۔ روضہ رسولؐ پر جاؤں اور جالیوں کو بوسہ دیکر آقاؐ کو آنسوؤں سے سلام کروں۔ ہر کیفیت، درد، دکھ سے آزاد ہو جاؤں۔ ایک پرندہ بن جاؤں اور وہاں کسی دیوار کی منڈیر پر بیٹھ کر صرف خدا کی شان کو دیکھتا رہوں۔ مگر میرے ایسے نصیب کہاں۔ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس شخص کو بتائے بغیر عمرہ یا حج پر ضرور بھجواؤنگا۔ میرے جی پی فنڈ میں اتنے پیسے ہیں کہ اسکو یہ سب کچھ کرواسکتا ہوں۔ شائد میری زندگی کی تکمیل بھی ہو جائے۔ مالی نے گریہ کے بعد عجیب سی بات کی۔ صاحب جی۔ میں نے وہاں سے واپس نہیں آنا۔ وہیں دم دے دینا ہے۔ میرا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ لگا کہ کسی نے مجھے آپریشن تھیٹر کی میز پر لٹا دیا ہو۔ میرے اوپر ہزاروں واٹ کے لاتعداد بلب روشن ہوگئے۔ ذہن میں تمام خواہشات، تمام کدورتیں، سب کچھ ایک دم باہر آ گیا۔ مالی نے سو فیصد میرے ذہن کی بات کردی۔ دراصل میں عمرے اور حج پر اسلیے نہیں جاتا کہ میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ون وے ٹکٹ کا مسافر بننا چاہتا ہوں۔ بلکہ ہوں۔ میری نظر میں مالی نے میرا ذہن پڑھ کر سب کچھ بتا دیا۔ مڑ کر دیکھا تو مالی پودوں کو پانی لگا رہا تھا۔ رنگ برنگے پھولوں کی پنیری تیار کر رہا تھا۔ سینکڑوں پھول کھلنے کیلئے بیتاب ہو رہے تھے۔ شائد اسلیے کہ وہ میرے جیسے گنہگار کو دیکھنا چاہتے ہوں

کہ اس جیسے کے نصیب میں بھی حرم پاک کی زیارت ہے۔ آقاؐ کے دَر پر جانے کی خواہش ہے۔

یہ اَمر حد درجہ اہم ہے۔ میں آج تک حج اور عمرہ پر نہیں جا سکا۔ بات مالی استطاعت کی نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے۔ مسئلہ صرف اور صرف ذہنی استطاعت کا ہے۔ مجھے شک ہے بلکہ یقین ہے کہ میں حد درجہ گنہگار انسان ہوں۔ غرض، دنیاوی آلائشوں میں لُتھڑا ہوا آدمی۔ میں کس طرح خدا کے حضور کھڑا ہونگا۔ رسول کریمؐ کے سامنے کس طرح جاؤنگا۔ اگر خدا نے کالی عمارت سے کوئی فرمان جاری کر دیا تو میرا کیا بنے گا۔ میں تو نافرمانی اور حد درجہ عقیدت کے درمیان پنڈولم بن چکا ہوں۔ ایک ایسی الماری میں تبدیل ہو چکا ہوں، جسکے چند خانوں میں عقیدت کا چورن پڑا ہوا ہے۔ دوسرے خانوں میں ایک عاشق رسولؐ کی بند پوٹلی پڑی ہوئی ہے۔ ساتھ والے خانوں کو کھولیے تو گناہوں کے بدبودار لتے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک خانے میں سیکولر سوچ کا پاندان پڑا ہے۔ ساتھ والے خانے میں صوفیوں کی جماعت قوالی کر رہی ہے۔ دوسرے خانے میں رند بلانوش مصروفِ شغل ہیں۔

الماری، اس طرح کی ہے کہ کسی کو بتانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ مسئلہ ہی یہی ہے کہ خوف میرے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں واپس کیسے آؤنگا۔ مدینے کے کوچوں میں راکھ بنکر بکھرنا چاہتا ہوں۔ حرم پاک میں حطیم کے مقام پر سجدہ ریز ہو کر خدا سے کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا۔ کچھ نہیں مانگنا چاہتا۔ اسلیے کہ خدا تو ہر اَمر سے باخبر ہے۔ میں شعوری اور غیر شعوری طور پر یکطرفہ ٹکٹ لینے والوں میں سے ہوں۔ جو جائیں اور پھر کبھی واپس نہ آئیں۔ سنا ہے حرم پاک اور روضہ رسولؐ کے باہر لوگ چپلیں اُتار دیتے ہیں۔ میں وہاں لوگوں کی چپلیں سیدھی کرنا چاہتا ہوں۔ باہر بیٹھ کر ان کبوتروں سے باتیں کرنا چاہتا ہوں جو وہاں کے مستقل مکین ہیں۔ چپلیں سیدھی کرنا میرے لیے دنیا کا سب سے بڑا اور معتبر کام ہے۔ وہاں کے کبوتروں کی دیکھ بھال اپنی زندگی کا مقصد نظر آتا ہے۔ یہ معاملہ کسی کو سمجھا نہیں پاتا۔ بتا نہیں سکتا۔ جب لوگ حج یا عمرہ سے واپس آتے ہیں تو انہیں مبارکباد دیکر تنہا سا ہو جاتا ہوں۔ یہ لوگ کتنے کم ہمت والے ہیں کہ واپس آ گئے۔ میں تو واپسی کے نام سے بھی گھبراتا ہوں۔ یہی وہ رکاوٹ ہے جسے عبور کرنے کی جسارت نہیں کر پاتا۔ واپسی کیسے ہوگی۔ کوئی پتہ نہیں۔ شادمان چوک میں وہ بڑھیا پھر کبھی نظر نہیں آئی۔ یہ مالی بھی عجیب سا آدمی ہے۔ اب مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا۔ ویسے کم ہی نظر آتا ہے۔ مجھ میں اس سے بات کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔ اس خواہش جواب خواب سی ہے۔ اسکی تعبیر کیا ہوگی۔ یہ قادرِ مطلق کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ویسے نہ جاننا، جاننے سے بہت زیادہ اہم ہے۔ پتہ نہیں کیوں، اب تک یقین نہیں آ رہا!

راؤ منظر حیات